ڈاکٹر حنا اسحاق *

فارسی ادب پر تصوف کے اثرات

تصوف نہ صرف سیر و سلوک اور روحانی نسبت کا ایک طریقہ ہے بلکہ انسانی شعور کی ایک خاصی کیفیت، تمدنی مزاج اور تخلیقی طرزِ احساس کا نام بھی ہے۔ تصوف کوئی خاص مذہب یا طریقہ نہیں ہے بلکہ محبت پر مبنی خدا پرستی ہے اور صوفی، خدا اور بندہ کے درمیان تعلق کو عاشق و معشوق کے درمیان کا رابطہ سمجھتا ہے۔ تصوف فلسفہ سے بالاتر ہے جو قلب و احساس سے سروکار رکھتا ہے نہ کے عقل و منطق سے۔ یہ وہ کیفیتِ قلب ہے جس سے دنیاو جود میں آئی۔ اس اعتبار سے تصوف کا مطالعہ اسلامی تہذیب کو سمجھنے اور اس کی کیفیتِ قلب کو جاننے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصولی اختلافات نے مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں منقسم کر دیا اور پھر ہر فرقہ میں آپسی اختلافات پیدا ہوئے جس کے نتیجہ میں ہر فرقہ کئی گروہ میں تقسیم ہو گیا اور ہر گروہ نے اپنے اپنے خیالات پھیلانے کے لیے کبھی نثر کو اظہار کا وسیلہ بنایا تو کبھی نظم سے مدد لی۔ اس گہما گہمی میں صوفیہ کا ایک طبقہ بھی ظاہر ہوا جس کا اثر فارسی کی نثر و نظم پر ہی نہیں بلکہ مذہب پر بھی طاری ہوا اور ان کی عربی و فارسی تصانیف سے خیالات و حالاتِ صوفیہ اہلِ اسلام میں پھیلے۔

صوفیہ کے مختلف فرقہ اور عقائد ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے کہ سب سے پہلے کون سا فرقہ و سلسلہ وجود میں آیا۔ شیخ علی ہجویری نے کشف المحجوب میں گیارہ گروہوں کا ذکر کیا ہے[1]

نام فرقہ	بانی	عقیدہ
(۱) محاسبیہ	عبداللہ بن حارث بن اسد محاسبی	رضا
(۲) قصاریہ	ابوصالح بن حمدون	خلق کی ملامت
(۳) طیفوریہ	ابویزید طیفور بسطامی	سکر
(۴) جنیدیہ	ابوالقاسم جنید بن محمد	صحو
(۵) نوریہ	ابن الحسن بن نوری	عزلت نشینی
(۶) سہلیہ	سہل بن عبداللہ تستری	مجاہدہ و ریاضت
(۷) حکیمیہ	ابوعبداللہ بن علی حکیم ترمذی	ولایت و کرامت
(۸) خرازی	ابوسعید خراز	فنا و بقا
(۹) خفیفی	ابوعبداللہ بن خفیف	غیبت و حضور
(۱۰) سیاریہ	ابوعباس سیاری	جمع و تفرقہ
(۱۱) حلولیہ	ابوحلمان دمشقی	حلول روح

شیخ علی ہجویری نے مذکورہ بالا جن گروہوں کا ذکر کیا ہے انھیں سلسلہ قرار دینا مناسب نہیں بلکہ ان کی حیثیت چھوٹے چھوٹے مکاتیبِ فکر کی تھی جن کی بنیاد پر بعد میں سلاسل منظم ہوئے۔ تقدم کے اعتبار سے تین سلسلے، سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ کبرویہ اور سلسلۂ قادریہ کا شمار کیا جا سکتا ہے۔

* پوسٹ ڈاکٹرل فیلو، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲ (یوپی) انڈیا —— موبائل:9359155066

لفظ ''صوفی'' کی اصلیت ہمیشہ سے متنازع رہی ہے۔ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی 'صوف' سے مشتق ہے جس کے معنی پشمینہ یا اون ہے کیوں کہ صوفی سنتِ رسول کی پیروی میں کمبل کی گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے جو ان کے فقر و ریاضت کی دلیل تھی۔اس لیے صوفی کے نام سے منسوب ہوئے۔دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صفِ اول میں رہتا ہے اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اصحابِ صفہ سے دوستی رکھتا ہے۔چوتھے کی رائے ہے کہ اسم صفا سے مشتق ہے جس کے معنی صفائے قلب یا دل کی پاکیزگی کے ہیں۔اسی طرح اور بھی تو جیہات ہیں لیکن شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں:

''صوفی کو صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق اور معاملات کو مہذب کر لیتا ہے اور طبیعت کی آفتوں سے پاک ہو جاتا ہے''[۲]

حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے صاف ہو اور نفس سے تکلیف اٹھاتا ہو اور یہی تصوف کے اصل معنی ہیں۔علماء کے نزدیک اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں:

(۱)صوفی: جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

(۲)متصوف: جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

(۳)متصوف: جو محض مال و متاع اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو صوفی کی طرح بنا لیتا ہے[۳]

تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ کی سخاوت

(۲) حضرت اسماعیلؑ کی رضا

(۳) حضرت ایوبؑ کا صبر

(۴) حضرت زکریاؑ کے حالات

(۵) حضرت یحییٰؑ کی قربت

(۶) حضرت موسیٰؑ کا لباس

(۷) حضرت عیسیٰؑ کی سیاحت

(۸) حضرت محمد مصطفیٰؐ کا فقر

پھر آہستہ آہستہ تصوف کا مفہوم قدرے روشن ہوا اور خدا و بندہ کے درمیان عاشق و معشوق کا رشتہ قائم ہوا اس کے بعد وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے موضوعات اس میں داخل ہوئے، پھر فنا و بقا کا عقیدہ اس میں شامل ہوا جو صوفیہ کے اہم عقائد میں سے ہے۔مختلف عقائد و مراحل سے گزر کر تصوف نے بتدریج ترقی کی اور صوفیہ کے افکار و خیالات روشن تر ہوئے۔زمان و مکان کا بھی اس میں اضافہ ہوا اور سماجی و معاشرتی حالات نے بھی اس میں تاثیر پیدا کی۔رفتہ رفتہ ترکِ دنیا اور فنا و فلاح کا تصور اُبھر کر سامنے آیا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت اور نفس کشی کی ضرورت تھی لہٰذا گوشہ نشینی اور عبادت کے محدود دائرہ سے نکل کر تصوف نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ایک نئی وادی میں قدم رکھا اور مختلف افکار و نظریات شامل ہونے کی وجہ سے آپسی اختلافات پیدا ہوئے اور پیر و مرشد کا تصور سامنے آیا۔

صوفی لقب سب سے پہلے ابو ہاشم بن شریک اچ اور جابر بن حیان کے ناموں کا جزو بنا۔ظہورِ اسلام کے بعد پہلی صدی ہجری میں سفیان ثوری اور دوسری صدی ہجری میں ابو ہاشم بن شریک، جابر بن حیان، حسن بصری، ابراہیم بن ادہم تصوف کے سلف صالحین کہلاتے ہیں۔تیسری صدی ہجری میں جنید بغدادی، خواجہ بایزید طیفور، ذوالنون مصری، منصور

حلاج اور سعید خراز۔ چوتھی صدی ہجری میں شیخ ابو بکر شبلی، شیخ ابو نصر سراج۔ پانچویں صدی ہجری میں ابو سعید ابی الخیر، خواجہ عبد اللہ انصاری، ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری۔ چھٹی صدی ہجری میں عبد القادر جیلانی، امام غزالی، حکیم سنائی، احمد جامی۔ ساتویں صدی ہجری میں شیخ نجم الدین کبریٰ، محی الدین ابن عربی، جلال الدین رومی، فخر الدین عراقی، بہاء الدین زکریا ملتانی۔ آٹھویں صدی ہجری میں شیخ علاء الدین سمنانی، شیخ محمود شبستری، شیخ بہاء الدین نقش بند اور حافظ شیرازی۔ نویں صدی ہجری میں شاہ نعمت اللہ ولی، امیر کبیر شیخ ہمدانی اور مولانا عبد الرحمان جامی وغیرہ۔

ان کے علاوہ جن صوفیہ نے ہندوستان میں تصوف کو بامِ عروج پر پہنچایا ان میں خواجہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، قاضی حمید الدین ناگوری، خواجہ فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیا، شیخ بوعلی قلندر، مولانا ضیاء الدین نخشبی، نصیر الدین محمد چراغ دہلوی، شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، مخدوم جہانیان جہاں گشت، سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید محمد گیسو دراز، شیخ احمد عبد الحق وغیرہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

فارسی ادب پر تصوف کے اثرات:

ایران کے عارف اور صوفی شعرا و ادبا نے عارفانہ اور صوفیانہ عقائد کو بہترین اور شیریں ترین طرز میں نثر و نظم کا لباس پہنایا ہے۔ لطیف و نازک احساساتِ اعلیٰ کو عبادت کے قالب میں ڈھالا ہے اور اس طریقت کے بزرگوں اور مشائخوں نے اپنے اپنے عقائد اور افکار کے لطائف کو زیبا ترین شعر و ادب میں پیش کیا ہے۔ شعرا و ادبا نے عشقِ حقیقی کو تصوف کا نام دیا۔

فارسی شاعری اس وقت تک قالبِ بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہارِ جذبات کا نام ہے لیکن تصوف سے پہلے جذبات کا وجود نہ تھا۔ تصوف کا مرکز عشقِ حقیقی ہے جو سرتا پا جوش ہے جس نے تمام سینہ اور دل کو گرما دیا اب زبان سے جو کچھ بھی نکلتا تھا وہ تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا اور جس کے نتیجہ میں عشقِ حقیقی کی بدولت عشقِ مجازی کی بھی قدر ہوئی۔

فارسی شاعری میں متصوفانہ خیالات کے اظہار کا سلسلہ سلجوقی دور سے نظر آتا ہے۔ اس دور کے صوفی شعرا میں بابا طاہر عریاں، ابو سعید ابو الخیر، خواجہ عبد اللہ انصاری، سنائی اور شیخ فرید الدین عطار خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنے عقائد کی ترویج و اشاعت میں جو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا وہ رفتہ رفتہ ایک صنفِ ادب کی صورت اختیار کر گیا۔ اصنافِ شعر میں صوفیہ نے مثنوی کو اپنے عقائد کے اظہار کے لیے بہت مناسب اور موزوں پایا۔

حکیم سنائی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے کے لیے مثنوی کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ ان کی مثنویاں طریق التحقیق، غریب نامہ، سیر العباد، کارنامہ، عشق نامہ اور عقل نامہ وغیرہ تصوف کے اسرار و رموز کی مستقل تصانیف ہیں۔ لیکن ان کی سب سے اہم تصنیف مثنوی حدیقۃ الحدیقہ ہے جس میں انھوں نے علم و دانش، تزکیۂ نفس، ترکِ غرور، ترکِ ظاہر وغیرہ کی تعلیم دی ہے۔ سنائی کے دریافت کردہ راستوں پر چل کر فرید الدین عطار نے روحانی مسائل پر توجہ دی اور کئی معنوی مثنویاں لکھیں مثلاً مصیبت نامہ، الٰہی نامہ، اسرار التوحید اور منطق الطیر وغیرہ اس کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔ منطق الطیر ایک تمثیلی مثنوی ہے جس میں سیر و سلوک کی سات وادیوں کا ذکر ہے یہ طلب، جستجو، عشق، معرفت، استغنا، توحید، حیرت اور فنا کی وادیاں

ہیں جنہیں عبور کر کے سالک منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔[۵]

عطار:

دمِ عیسیٰ است کہ با باد سحری گذرد
وآب خضر است کہ بر روی خضر می گذرد
عمر گرچہ گذران است عجب می دارم
با چنان باد و چنین آب گر می گذرد

ایران کے صوفی شاعروں میں مولانا جلال الدین رومی کا مقام سب سے بلند ہے۔ مثنوی معنوی ان کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے سچ تو یہ ہے کہ سنائی و عطار کی فکر کو مولانا رومی نے ایک مستقل شرح کی صورت میں پیش کیا جسے زبانِ پہلوی میں قرآن کا درجہ دیا گیا ہے۔[۶]

مثنوی معنوی مولوی
ھست قرآن درزبان پھلوی

مثنوی معنوی میں مولانا نے روحِ انسانی کو حسنِ مطلق کا ایک جزو قرار دیا ہے جس کو نی (بانسری) سے مثال دی ہے اس کے علاوہ عشق، وحدۃ الوجود اور اجتماعی زندگی کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ سالک کے لیے ترکِ دنیا ضروری نہیں ہے۔ مثنوی معنوی میں روحانی حقائق کو نہایت سادہ اور فصیح زبان میں تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اسی طرح بہت سی قرآنی آیات اور اخبار و احادیث کو صوفیانہ رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔[۷]

عارفان کہ جام حق نوشیدہ اند
رازھا دانستہ و پوشیدہ اند
ھر کہ را اسرار کار آموختند
مھر کردند و دھانش دوختند

ایران اور دوسرے اسلامی ممالک پر منگولوں کا تسلط اسلام پر کفر کے غلبہ کے مترادف تھا۔ صدیوں تک اسلام کی شان و فتوحات کے بعد کفار کے ہاتھوں اسلامی ممالک کی بربادی اور اسلامی خلیفہ مستعصم باللہ کا بغداد میں دردناک قتل ایک عبرتناک واقعہ تھا۔ شعرا نے اپنی آنکھوں سے انسانیت پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے ان کی طبیعت تصوف کی طرف مائل ہوئیں لہٰذا ان کے کلام میں بے ثباتی دنیا، عبرت، رضا اور قناعت جیسے مضامین بکثرت موجود ہیں۔

جھان را نیست مرگ اختیاری
کہ آن را ز ھمہ عالم تو داری
(محمود شبستری)

بھشت و دوزخش بینی مشو مشغول این ھر دو
قدم بر فرق دوزخ نہ، خطی گرد جنان در کش
(نظامی گنجوی)

تو جزوی و حق کل است اگر روزی چند
اندیشہ کل و پیشہ کنی، کل باشی
(نظامی گنجوی)

خواھی کہ خدائی برتو بخشد
با خلق خدائی کن نکوئی
(سعدی)

عام طور پر سلاطین و امرا شعر و سخن کے دل دادہ اور شعرا کے مربی اور قدر دان ہوتے تھے اسی سبب شعرا زیادہ تر قصیدہ کہتے تھے لیکن منگولوں کو شعر و سخن سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے شعرا کی توجہ قصہ گوئی سے ہٹ گئی اور ایک نئے صنفِ سخن گویا غزل کی بنیاد پڑی اس کی ابتداء سعدی نے کی اور ان کے معاصرین نے ان کی ہم نوائی کی۔ سعدی نے غزل میں حقیقت اور مجاز کا ادغام کیا جس نے حافظ کے ہاتھوں میں پہنچ کر عرفانی مقام حاصل کیا اور حافظ نے

مخصوص الفاظ اور اصطلاحات وضع کیں مثلاً خرابات، پیرِ مغاں، مغبچہ، خرقہ، صومعہ، پیر، زاہد، دیر، زنار اہل طریق، خانقاہ وغیرہ۔

سعدی:

صاحبدلی بمدرسہ آمد زخانقاہ
بہ شکستہ عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود
تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را

حافظ:

زاہد ایمن مشو از بازی غیرت زنہار
کہ صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ رہ از سالک بی خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

خسرو:

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

اس کے علاوہ مشائخ اور بزرگوں نے تصوف کی تبلیغ و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تصنیف و تالیف کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا اور نثر میں بھی بے شمار کتابیں تالیف ہوئیں مثلاً شیخ علی ہجویری کی ''کشف المحجوب''، غزالی کی ''کیمیائے سعادت''، ابن عربی کی ''فصوص الحکم''، عبدالقادر جیلانی کی ''فتوح الغیب'' اور ''طریق الحق''، شیخ ابو طالب مکی کی ''قوت القلوب''، بہاءالدین کی ''حیات نامہ'' منظرِ عام پر آئیں۔

لہٰذا نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف کا اثر نہ صرف فارسی شعر و ادب پر پڑا بلکہ انسانی زندگی کا ہر پہلو کسی نہ کسی حد تک تصوف کی اشاعت سے متاثر ہوا۔ صوفیائے کرام کے زہد و تقدس اور خوش مزاجی سے عوام متاثر ہوتی گئی اور ان کی خانقاہیں بڑے بڑے شہروں میں تبلیل کا مرکز بنتی گئیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

☆

حواشی:

(۱) کشف المحجوب، ص:۳۶
(۲) ایضاً، ص:۱۳
(۳) ایضاً، ص:۳۲
(۴) بزم صوفیہ، ص:۶۶
(۵) آبِ کوثر، ص:۸۵
(۶) ایضاً، ص:۷۱
(۷) شعرالعجم، (ج دوم)، ص:۱۹۲

مآخذ:

(۱) بزم صوفیہ، صباح الدین عبدالرحمٰن، اعظم گڑھ، ۱۹۴۹ء
(۲) شعرالعجم، علامہ شبلی نعمانی، اعظم گڑھ
(۳) آبِ کوثر، شیخ محمد اکرام، دہلی، ۱۹۹۱ء
(۴) تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۸۰ء
(۵) جستجو در تصوف ایران، زرین کوب، تہران، ۱۳۶۷ھ

☆☆☆